مولانا شمس الحق افغانی

اسلام اور ترقی

مولانا شمس الحق افغانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر ہیں۔ انھوں نے یہ مقالہ پشاور میں پاکستان اکیڈمی برائے ترقی دیہات کی مجلس مذاکرہ میں پڑھا تھا۔

ترقی انسان کا فطری جذبہ ہے۔ کرۂ ارضی کا کوئی انسان نہ پہلے ایسا گذرا ہے جو ترقی کو محبوب نہ سمجھتا ہو اور نہ اب کوئی ایسا انسانی فرد مل سکتا ہے جو ترقی کا خواہاں نہ ہو۔ خصوصاً دورِ حاضر میں تو ترقی کا لفظ ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا ہے اور ہر قوم ترقی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ نظر آتی ہے اس لیے ترقی کی ضرورت پر دلائل پیش کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ صرف دو چیزوں کا بیان کرنا ضروری ہے۔ (۱) ترقی کا اصلی اور صحیح تصوّر۔ (۲) ترقی حاصل کرنے کے لیے وہ صحیح اور عملی تدابیر جن پر عمل پیرا ہو کر ترقی حاصل کی جا سکتی ہے۔

انسانی ترقی کا صحیح تصور

یہ حقیقت سب پر واضح ہے کہ انسان محض جسم مادی اور صرف روح انسانی کا نام نہیں بلکہ انسان جسم و روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں انسانیت کے اجزا ٹھہریں تو انسانی ترقی ان دونوں اجزا کی ترقی کا نام ہوگا۔ ایک جز کی ترقی کامل ترقی نہیں کہلا سکے گی کیونکہ کل کی تکمیل و ترقی اجزا کے بغیر ناممکن ہے۔ جیسے ایک کامل بدن وہی کہلائے گا جس کے تمام اعضا کامل، اعلیٰ اور متوازن ہوں۔ اگر صرف کان درست ہوں اور آنکھ ٹھیک نہ ہو یعنی اس میں بینائی نہ ہو، یا ہاتھ صحیح سالم ہوں، لیکن پاؤں ٹھیک نہ ہوں بلکہ اس میں لنگڑاہٹ ہو تو ایسے شخص کے بدن کو کامل اور ترقی یافتہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی مشین کے سب پرزے درست اور اعلیٰ ہوں لیکن دو ایک پرزے ناقص اور ردی ہوں تو پوری مشین ناقص اور غیر ترقی یافتہ کہلائے گی۔ ایک مرکب دوا مثلاً جوارش جالینوس کے سب اجزا اعلیٰ ہوں لیکن صرف ایک جز زعفران اس میں ردی ہو تو جوارش مذکور ناقص قرار پائیگی۔

اسی پر انسان کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

صرف مادی ترقی

یورپ، امریکہ بلکہ دورِ حاضر کی اکثر اقوام کی تمام جدوجہد اور سعی و عمل انسان کے صرف پہلے جزو یعنی جسم مادی کے ارتقا پر مصروفِ کار رہے اور اسی جزو کی ترقی میں ان کو بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے لیکن انسان من حیث الکل اب تک ترقی سے محروم ہے۔ روحانی ارتقا کو انھوں نے نظر انداز کر رکھا ہے جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ اس وقت جن اقوامِ عالم کی مادی ترقی بے مثال ہے۔ اسی طرح ان کا روحانی انحطاط بھی بے نظیر ہے۔ انسانی روح جس قدر آج گندگی اور تاریکی میں ملوث ہے پوری تاریخِ انسانیت میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا۔ اس کے تباہ کن نتائج پوری انسانیت بھگت رہی ہے۔ اسی کی ترجمانی اقبال مرحوم نے یوں کی ہے:

یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد	زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد
مشکلاتِ حضرتِ انساں از واست	آدمیت را غمِ پنہاں ازو است

مادی ترقی نے دورِ حاضر کے انسان کے لیے تباہ کن آلات پیدا کیے۔ اور ان کی تاریک اور ناپاک روحوں نے ان آلات کو انسان کی تباہی کے لیے محض قومی غرور کے نشہ کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جس کا نتیجہ خود ان کے اقرار کے مطابق حسب ذیل نکلا۔ اقوام متحدہ کے کمیشن کی رپورٹ جس کو ڈاکٹر ازمنٹر مغربی جرمنی نے مرتب کیا اور جس میں صرف گذشتہ جنگِ عظیم کے نقصانات کی تفصیل بتائی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم میں ساڑھے چھ کروڑ افراد مقتول و مجروح ہوئے اور پندرہ کروڑ افراد کے گھر جل کر خاک ہوگئے اور اس جنگ میں اس قدر دولت صرف ہوئی کہ اگر اس کو اس وقت کی دنیا کی پوری ڈھائی ارب آبادی پر برابر تقسیم کیا جاتا، تو فی کس ڈھائی سو ماہوار کے حساب سے پوری دنیا ایک سو سال تک خوشحال زندگی بسر کرسکتی تھی۔ (رپورٹ مندرجہ "شہباز" ۲۷ جولائی ۱۹۵۶) کوریا کی معمولی لڑائی میں ۲۵ جون ۱۹۵۰ لغایت ۴ مئی ۱۹۵۲ تک پچاس لاکھ مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔

اس وقت مادی سائنس نے جو سامانِ ہلاکت انسان کے لیے مہیا کیا ہے۔ بقول امریکی وزیر دفاع کے اگر امریکہ اور روس میں جنگ چھڑ گئی تو جانبین میں سے چوبیس کروڑ افراد تباہ ہوجائیں گے

سائنس کی جو بین الاقوامی کانفرنس بمقام پگواش امریکہ میں ہوئی۔ اس میں برطانوی سائنس دان سر رابرٹ واٹس واٹ نے انکشاف کیا ہیولا جیکل وار فیئر (کیمیائی جراثیمی) ایک بم جس کی مقدار آٹھ اونس ہے اور جس کو معمولی ریاست بلکہ معمولی سرمایہ دار بھی بنا سکتا ہے تمام کرۂ ارضی کی تباہی کے لیے کافی ہے۔ ("ڈان" ۵ ستمبر ۱۹۵۹ء مقالہ افتتاحیہ)

یہی اس خالص مادی ترقی کے نتائج ہیں جن سے دنیا کانپ رہی ہے اور جس نے پوری انسانیت کے لیے زندہ رہنے کو ناممکن بنا دیا۔ بقول اکبر:

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہو اکبر　　اڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمین آیا

صرف مادیت پر زندگی کی بنیاد رکھنا شاخِ نازک پہ آشیانہ بنانے کے مترادف ہے۔

بقول اقبال مرحوم

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہوگا

صرف مادی ترقی کا یہ نتیجہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی رنگ میں ظلم عام ہوگیا ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا میں انتشار اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور تباہ کن لڑائیوں کا بے مقصد سلسلہ قائم ہے۔ ایک تباہ کن جنگ ختم ہوتی ہے تو دوسری جنگ کی تیاری شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ زمین کسی وقت بھی انسانیت کی ہلاکت سے خالی نہیں رہتی۔ ناپاک روحیں مادی اسلحہ سے مسلح ہو کر انسانیت کی تباہی کے لیے ہر وقت برسرِ پیکار رہیں۔ ناخدا ترسوں کے ہاتھ میں اسلحہ دینا ایک ڈاکو کو مسلح کرنا ہے۔ بقول حضرت رومی کے:

بدگہر را علم و فن آموختن　　دادنِ تیغ است بدست رہزن

جزوی اور صرف مادی ترقی کے یہ مہلک نتائج نہ صرف انسان کش ہیں بلکہ یہ پوری زمین کو جہنم کدہ بنانے کا سامان ہے۔

کامل ترقی

اسلام نے ترقی کا صحیح اور جامع تصور پیش کیا کہ انسانی ترقی درحقیقت نام ہے اس کا کہ انسان کا جسمِ مادی ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی روح کو بھی غذا روحانی اور اسبابِ ارتقائے روحانی

سے بلند کیا جائے۔ جسم مادی اور مادی دنیا کو چلانے والی چیز روحِ انسانی ہے۔ اگر وہ پاک اور بلند ہو، تو روحِ انسانی کی تمام عالمی حرکات اور اعمال میں بلندی اور پاکیزگی پیدا ہوگی اور مادی ترقی صحیح محل پر صرف ہوگی۔ ورنہ روحِ انسانی کی اندرونی گندگی اور سیاہی کرۂ ارضی پر فساد پھیلائے گی اور انسانیت کی مشین کو درہم برہم کر دے گی جس طرح منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس موٹر میں سفر کیا جائے وہ بھی تمام اجزا کے اعتبار سے عمدہ اعلیٰ اور ترقی یافتہ ہو اور اس موٹر کو چلانے والا ڈرائیور بھی قابل اور موٹر کو صحیح نہج اور راہ پر چلانے کی اہلیت رکھتا ہو لیکن اگر صورت اس کے برعکس ہو کہ موٹر تو اعلیٰ قسم کا ہو مگر اس کا ڈرائیور اناڑی اور نااہل ہو، ایسی صورت میں موٹر اس کے ہاتھ میں دے دینا انتہائی خطرناک ہے وہ اس کو بہت جلد کسی درخت یا پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش کر دے گا یا خندق میں گرا دے گا جس سے منزلِ مقصود پر پہنچنا تو الگ رہا خود موٹر کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح انسانیت کو بحیثیت مجموعی ایک موٹر سمجھنا چاہیے اور انسانی روح کو اس کا ڈرائیور۔ اگر روحِ انسانی غیر ترقی یافتہ اور اناڑی ہو اور اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر خالقِ کائنات کے دینی اور روحانی ضوابط سے یکسر بے اعتنائی برتتی ہو۔ اور اپنی ذات کو خالقِ کائنات کے متعینہ نظم اور ضبط میں رکھنے کی ضرورت کی قائل نہ ہو اور شرفِ انسانیت اور جذبۂ محبت آدمیت کی شناسا بھی نہ ہو تو ایسی روح انسانیت کی مشین کو صحیح خطوط اور نہج پر نہیں چلا سکے گی، بلکہ انسانیت کی مشین کو مادیت سے ٹکرا کر تباہ کر دے گی۔ یہی حال یورپی اور امریکی روحوں کا ہے جنھوں نے انسانیت کی مشین کو جنگ ۱۴-۱۹۱۸ء اور جنگ ۳۹-۱۹۴۵ء میں دوبارہ اس زور سے ٹکرایا کہ انسانیت کے پرزے اڑ گئے۔ کروڑوں انسان لقمۂ اجل بن گئے اور مکانات راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئے اور دنیا کے مختلف گوشوں میں اب تک ان ناپاک روحوں کا یہ ٹکراؤ جاری ہے اور آئندہ ایک عظیم اور آخری تباہ کن اور قیامت خیز ٹکراؤ کی تیاری میں مصروف ہیں۔

لارڈ برنارڈ شا نے درست کہا ہے کہ یورپ والوں نے جس قدر مادی ترقی کی ہے اس نسبت سے روحانی ترقی نہیں کی، بلکہ روحانی انحطاط کا شکار ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ دنیا کے لیے تباہی کا سبب بن گئے۔ روحانی ارتقا کے بغیر مادی اور جسمانی ارتقا کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے۔ آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے ایک اسلامی فیلسوف علامہ جلال الدین رومی نے کس قدر سچ فرمایا ہے:

بدگہر را علم وفن آموختن دادن تیغ است بدست راہزن

جس کی روح ناپاک ہو اس کو علم وفن کے ذریعہ طاقت ور بنانا ڈاکو کے ہاتھ میں اسلحہ جنگ دے دینا ہے۔ ان نتائج ہی کی بنا پر اسلام نے یورپ کی طرح صرف مادی ترقی پر زور نہیں دیا اور نہ قدیم مسیحیت، ہندومت اور بدھ مت کی طرح قطع دنیا اور جوگی پن اور رہبانیت کی تعلیم دی۔ بلکہ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ کے تحت دنیا اور آخرت، مادہ اور روح عقل اور دین میں ایک حسین امتزاج اور معقول ربط پر زور دیا۔ تاکہ دونوں میں صحیح توازن پیدا ہو، اور انسان من حیث الکل ترقی کی اصلی راہ پر گامزن رہے۔ انسان کے پاس ایک طرف مادی فوائد کے خزانے بھی جمع ہوں اور دوسری طرف اس کی روح کو اپنے خالق سے ارتباط بھی ہو تاکہ وہ ان مادی اسباب کو صحیح مواقع پر صرف کرے اور بے مقصد ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے۔ اسلام اور قرآن نے مادی ترقی اور اس کے وسائل کی تحصیل پر بھی زور دیا تاکہ مادی قوت کے ذریعہ وہ اپنے خالق کے منشا کو زمین میں جس میں اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے پورا کر سکے۔ اس کے ساتھ قرآن نے روحانی ارتقا پر زور دے کر اس کے اصول و اسباب متعین کیے تاکہ وہ مادی اسباب کے صحیح استعمال اور انسانی مشین کو درست طریقے پر چلانے کی اہلیت پیدا کر سکے۔

اسلام اور مادی ترقی

مادی ترقی کی بنیادی چیزیں دو ہیں۔ ایک مرکز ترقی اور دوم عامل ترقی۔

مرکز ترقی وہ دائرہ کار ہے جس میں فکر اور عمل کے ذریعہ انسان کی مادی ترقی کے اسباب مہیا ہو سکیں اور عامل ترقی سے مراد وہ قوتیں ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنے مرکز ترقی سے مادی فوائد کو حاصل کر سکے۔ قرآن پاک نے ان دونوں چیزوں کو نہ صرف متعین کیا بلکہ ان کی طرف بلیغ انداز میں ترغیب دی اور ہم کو ان کی طرف متوجہ کیا۔

مرکز ترقی

مرکز ترقی کے متعلق ہم تین آیات پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا (بقرہ)

(۲) وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذٰلک لاٰیاتٍ

لقومٍ یتفکرون ۔ (جاثیہ)

(۳) ھو الذی جعل لکم الارض ذلولًا فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہٖ و الیہ النشور۔ (سورۂ ملک)

پہلی آیت میں خالقِ کائنات نے جملہ مادی فوائد اور تمام اسبابِ ترقی کے اصل سرچشمہ کو بتلایا کہ خالقِ کائنات وہ ذات ہے کہ جس نے زمین کے اندر تمہارے فائدے کے لیے سب سامان مہیا کیا ہے۔ ما فی الارض ایسا ہمہ گیر لفظ اور محیط کل تعبیر ہے جو مادی ترقی کے تمام وسائل پر حاوی ہے۔ (۱) زرعی ترقیات جن میں انسان اور حیوان کی خوراک پھل اور میوے صحتِ انسانی کے قائم رکھنے اور امراض کے علاج سے متعلق تمام دواؤں کے ذخائر۔ (۲) معدنیات کے سلسلے میں سونا چاندی، پیتل لوہا، لعل، یاقوت اور زمرد وغیرہ جواہرات، مصنوعی کھاد، نمک، پٹرول، سوئی گیس، بجلی پیدا کرنے کا سامان، ایٹمی قوت کے مواد وغیرہ سب داخل ہیں۔ اسی طرح جنگلات کے فوائد و مفید حیوانات کے ذخائر اور ان سے متعلق فوائد سب کو شامل ہے۔ اب مادی ترقی کا کونسا محکمہ ہے جو زمینی فوائد کے اکتساب سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

دوسری آیت میں مادی ترقی کے زمینی اسباب کے ساتھ سماوی اسباب کو جمع کیا اور ان سے کسب فوائد کی طرف توجہ دلانے کے لیے اور نا امیدی اور سستی دور کرنے کے لیے سخر کا لفظ استعمال کیا گیا کہ ان سب سماوی و زمینی کائنات کو خدا نے تمھاری خدمت اور افادیت کے کام میں لگا رکھا ہے۔ کائنات کی یہ تسخیر خالقِ کائنات کا وہ عظیم احسان ہے جو اس نے صرف انسان کے ساتھ مختص کیا ہے۔

تیسری آیت میں اللہ نے اپنا یہ احسان ظاہر فرمایا ہے کہ ہم نے تمام زمینی قوتوں کو تمھارے لیے ذلول یعنی مسخر اور منقادہ بنا دیا ہے۔ تم جستجو کرو اور اس میں سے تم اپنی روزی حاصل کرو لیکن اس تصور کے ساتھ کہ تم سب کو اسی مالکِ حقیقی کے پاس حاضر ہونا ہے ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوا کہ خالقِ کائنات نے آغاز آفرینش سے زمین کو ان تمام منافع اور فوائد کا خزانہ بنا دیا ہے جو اب تک دریافت ہوئے ہیں یا آئندہ دریافت ہوں گے۔ ان فوائد کا موجد اور خالق اللہ رب العلمین ہے انسان نہیں۔ صرف ان فوائد کو دریافت کرنا اور ان کو معلوم کرنا انسان کا کام ہے جیسے ایک

پڑی ہوئی چیز ایک وقت میں معلوم نہ ہو، دوسرے وقت میں اس کا علم ہوجائے۔موجود کرنے اور معلوم کرنے میں بڑا واضح فرق ہے۔انسان کسی چیز کو معلوم تو کرسکتا ہے لیکن موجود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔بلکہ اگر غور کیا جائے تو انسان بحیثیت مجموعی تخلیق جوہری سے قطعاً عاجز ہے۔ساری دنیا کے انسان مل کر بھی ریت کا ایک ذرہ پیدا نہیں کرسکتے۔انسان صرف خدا کے پیدا کردہ جواہر کی تحلیل وترکیب کرسکتا ہے اس سے زائد کچھ نہیں۔یعنی جوڑ توڑ جو عرضی اوصاف ہیں وہ کرسکتا ہے لیکن اوصافِ جوہری کی استطاعت نہیں رکھتا۔جیسے ایک کمرے میں سینکڑوں چیزیں پہلے سے پڑی ہوں اور ایک انسان ان کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاکر ایک خاص شکل میں لائے یا ایک کو دوسرے سے جدا کرکے اس کی سابق شکل بدل دے پھر ان شکلوں کی ایجاد پر بھی اگر غور کیا جائے تو وہ الہامی اور الٰہی ہیں صرف انسانی فکر و عمل کا نتیجہ نہیں۔مثلاً ابتدا میں انسان کو یہ خیال آیا کہ اللہ کے پیدا کردہ لوہے لکڑی وغیرہ سے ایک ایسی مشین تیار کی جائے جو بوجھل چیز کو ہوا میں اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے۔اب مدتوں وہ ایسی مشین کی شکل اور نقشے سوچتا رہا لیکن انسانی عقل اور قوتِ خیالیہ صرف ان نقشوں کو سوچتی ہے جو عالم محسوسات میں ان کے دیکھے بھالے ہوں اور ہوائی جہاز کی مشین کا نقشہ اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔اس لیے وہ اپنی قوتِ فکریہ کو اس نامعلوم نقشے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔فکر اور ذہن کو متوجہ کرنا انسان کا کام ہے لیکن ہوائی جہاز کے صحیح نقشے کا ذہن میں ڈال دینا یہ خدا کا کام ہے۔جیسے زمین میں تخم ڈال دینا یا رحم میں نطفہ ڈال دینا انسان کا کام ہے۔لیکن نباتات اور اولاد کا نقشہ پیدا کرنا شکم زمین یا شکمِ مادر میں یہ اللہ کا کام ہے۔اللہ کی عادت جاری ہے کہ جو تخم ڈالنے اور زراعت کی کوشش کرے گا وہ اللہ کے فیضان سے خرمن پائے گا اور جو غافل اور بے توجہ رہے گا وہ گندم کا ایک دانہ بھی حاصل نہ کرسکے گا اسی طرح جب مغربی اقوام نے فوائد زمین کے استخراج اور مختلف مشینوں کی ایجاد کے لیے کوشش صرف کی تو خالقِ فیاض نے ان کی کوشش رائیگاں نہ جانے دی اور انھوں نے فیضانِ الٰہی کے تحت اپنی کوششوں کا ثمرہ پایا۔مسلمان چونکہ غافل رہے اور انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی، لہٰذا وہ محروم رہے۔طبعی قوانین اور ان کے ثمرات و نتائج میں مسلم غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں۔قرآن کا ارشاد ہے: كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَهٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ط ہم

مسلم اور غیر مسلم دونوں کو اپنے فیض سے دنیوی اور کامیابی کی جدوجہد میں امداد دیتے ہیں اور ہمارا یہ فیض کسی پر بند نہیں۔ اس لیے زمینی فوائد کو اس کے خزانہ سے نکالنے میں جدوجہد لازمی ہوئی۔ لیکن زمین کے مادی فوائد خود بخود حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے محرک اور عامل کی ضرورت ہے جس قدر بھی غور کیا جائے اُسی قدر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن نے جس طرح ہم کو مرکزِ ترقی کی طرف متوجہ کیا اسی طرح قرآن نے عامل ترقی کے بارے میں بھی ہماری صحیح راہ نمائی فرمائی۔

محرک اور عاملِ ترقی

زمین مادی ترقی کا خزانہ ہے لیکن جب تک عامل اور محرکِ ترقی کو بروئے کار نہ لایا جائے 6
ہم زمینی فوائد اور مادی ترقی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتے۔ ترقی کے عوامل صرف دو ہیں۔ فکر اور عمل۔ یعنی زمینی قوتوں سے استفادہ کرنے کے لیے ہمیں ان تدابیر پر غور کرنا ہوگا جو اس استفادہ میں میسر ہوں، پھر ان تدابیر کو عمل میں لانا پڑے گا کہ الفکر قبل العمل فکر عمل سے مقدم ہے۔ پیش کردہ آیتوں میں سے دوسری آیت فکر پر متوجہ کرنے کے لیے ہے۔ قرآن نے ارشاد فرمایا: ان فی ذٰلك لآیٰت لقومٍ یتفکرون۔ دوسری جگہ قرآن نے فرمایا یتفکرون فی خلق السمٰوٰتِ والارض ان آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو فکر اور ذہن کو استعمال کرتے ہیں اور عمل کے لیے تیسری آیت میں فامشوا فی مناکبہا جاؤ پھرو زمین کے اطراف میں، عمل کی طرف اشارہ ہے۔

ان سب سے بڑھ کر قرآنِ حکیم نے دین و دنیا کی ترقی کا مدار عمل کو ٹھہرایا ہے اور عمل کے بغیر انسان کو نہ دنیا کی کامیابی نصیب ہو سکتی ہے اور نہ آخرت کی۔ قرآن کا ارشاد ہے: وان لیس للانسان الا ما سعٰی وان سعیہ سوف یُریٰ۔ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ عمل کرے اور قریب ہے کہ وہ اپنے عمل سعی اور جدوجہد کے نتائج کو پالے گا۔ بقول اقبال مرحوم:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اب ہم مادی ترقی کے اصولی اسباب یعنی فکر و عمل کے بعد ان کی تفصیلی تدابیر بیان کرتے ہیں۔

جن پر شہروں اور دیہات دونوں میں عمل کرنا ضروری ہے۔ ان تدابیر میں سب سے بڑی تدبیر زراعت ہے جس پر ۸۵ فی صد باشندگان پاکستان کی معیشت کا مدار ہے۔ بلکہ درحقیقت پاکستان کی پوری آبادی کی زندگی زراعت سے وابستہ ہے۔ اس لیے زراعت کے قدرتی اور مصنوعی وسائل کو کام میں نہ لانا یا ان سے غفلت برتنا پوری قوم کے لیے تباہی کا سبب ہے۔

اسلام میں زراعت کا مقام

زراعتی ترقی کے لیے جدوجہد کرنا منشاء خداوندی کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کے لیے جو فوائد رکھے ہیں ان فوائد کا استخراج جہاں خداوند قدوس کی حکمتِ تخلیق کو نمایاں کرنا ہے وہاں دوسری جانب اس کی نعمتوں سے استفادہ بھی کرنا ہے لیکن اس کے برعکس ترک عمل سے منشاء الٰہی کی خلاف ورزی اور انعامات الٰہیہ کی بے قدری کا اظہار ہوتا ہے جس سے نعمتوں کے سلب ہو جانے کا امکان ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: وجعلنا لکم فیہا معایش ومن لستم لہ برازقین۔ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سامانِ رزق رکھا ہے اور ان کے لیے بھی سامان رکھا ہے جن کے لیے تم روزی مہیا نہیں کرتے یعنی حیوانات وغیرہ۔ قرآن حکیم ہی میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ افرایتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون۔ کیا تم دیکھتے ہو کہ جس تخم کو تم بوتے ہو تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ پہلی آیت میں انسانی معیشت کی نشان دہی کی گئی کہ وہ زراعت ہے اور دوسری آیت میں زراعت کی ترغیب دی گئی کہ صرف بیج بو دینا تمہارا کام ہے اسے اگانا اور کمال پہ پہنچانا میرا کام ہے۔

امام ابوبکر جصاص حنفی نے احکام القرآن ص ۶۵، ج ۲ میں تصریح کی ہے کہ قرآن کی آیت: واستعمرکم فیہا یعنی خدا تم سے آبادی طلب کرتا ہے زمین کی دلالت کرتی ہے کہ زراعت واجب ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ جو آدمی کاشت کرے یا درخت لگائے تو جو پرندہ یا چرندہ یا انسان اس سے فائدہ اٹھائے، یہ تمام چیزیں اس کے فردِ حسنات میں صدقات شمار ہوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زراعت اور باغبانی کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ کنز العمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ اگر قیامت قائم ہونے کو ہو اور تمہارے ہاتھ میں ایک پودا ہو جس کو تم قیامت قائم ہونے سے پیشتر زمین میں لگا سکتے ہو تو اس کو ضرور لگا دو۔ نفحات الانس میں

عارف جامیؒ نے ایک مشہور بزرگ اور صوفی شیخ ابوالمکارم سمنانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ خدا نے زمین کو زراعت کی حکمت و منفعت کے لئے پیدا کیا ہے، جو شخص زمین کی زراعت اور آبادی کو چھوڑ دیتا ہے اس کو اگر اس گناہ کا علم ہو جائے جو زمین کی معطلی کی وجہ سے اس سے سرزد ہوا، تو وہ ہرگز زمین کو بیکار نہ چھوڑتا۔ اگر کسی کی زمین سے سالانہ ہزار من غلہ پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی بے توجہی اور غفلت کی وجہ سے نو سو من غلہ پیدا ہو تو قیامت میں اس سے ایک سو من غلہ کم پیدا ہونے کی بازپرس ہوگی۔ (نفحات الانس للجامی مطبوعہ کلکتہ ص ۵۰۸)

اسلام نے زراعت کی ترقی کا جو تصور مسلمانوں کو دیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام جہاد، فتوحات اور حفاظتِ دین میں مصروف ہونے کے باوجود ترقیٔ زراعت کے فریضہ کی بجاآوری میں بھی جد و جہد فرماتے تھے مشہور جلیل القدر صحابی فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب خشبۃ الارتسامات کے صفحہ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں کہ عمرو بن عاصؓ صحابی نے وہط نامی میں زمین جو طائف میں تھی اس قدر انگور لگائے کہ ان کی بیلوں کو چڑھانے کے لیے انھیں دس لاکھ ڈنڈے نصب کرنے پڑے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسب روایاتِ احادیث سلمان فارسی کے لیے خرما کے پودے لگائے۔ ان تمام نصوص اور سلف صالحین کے عمل سے زراعت کی انتہائی اہمیت ثابت ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کا عموماً اور باشندگانِ دیہات کا خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں میں اپنے وقت کو ضائع نہ کریں اور دنیا اور آخرت کی کامیابی اور سرخروئی کے لیے زراعت کو ترقی دینے میں اپنی خداداد قوتوں کو صرف کریں تاکہ ان کو خوشحالی نصیب ہو اور فارغ البالی کے ساتھ اپنے اسلامی فرائض بجالا سکیں اور اخلاقی انحطاط اور سماجی خامیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ کیونکہ بے کاری اور تنگ دستی ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ بلکہ بعض اوقات آدمی اپنے فقر کی وجہ سے نور ایمانی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ قریب ہے کہ انسان تنگ دستی کی وجہ سے ایمان سے محروم ہو جائے۔

تجارت

دوسری تدبیر جس پر مسلمانوں اور خصوصاً دیہات کے مسلمانوں کے لیے عمل پیرا ہونا اسلامی نقطۂ نگاہ سے ضروری ہے۔ وہ تجارت ہے یعنی اپنی محنت اور کسی قدر سرمایہ کو وہ اس طرح استعمال کریں کہ آمدنی

میں اضافہ ہوتا کہ روز افزوں اخراجات اور عیال کی ضروریات کو جائز طریقے سے پورا کر سکیں۔

انسانی تاریخ کے آغاز ہی سے تجارت کے پیشے کا وجود بھی ملتا ہے اور اسی کے ذریعے رزق کا دروازہ کھلتا ہے بقول امام غزالیؒ انسان کو ۹۰ فیصدی روزی تجارت کی راہ سے ملتی ہے اور باقی دس فیصدی دیگر ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔ تجارت اگرچہ دنیوی معاملہ ہے لیکن اسلام میں چونکہ دین اور دنیا کی تفریق نہیں اور روح و جسم کی طرح دین اور دنیا باہم مربوط ہیں جسم کے بغیر روح ناکارہ اور روح کے بغیر جسم بے فائدہ ہے۔ اس لیے اسلام نے جو دینِ فطرت ہے۔ تجارت کی طرف مسلمانوں کو خاص توجہ دلائی ہے کہ دنیوی عروج اور ترقی میں تجارت کو بڑا دخل ہے۔ یورپ اور امریکہ کی موجودہ ترقی میں بڑی حد تک تجارت کو دخل ہے تجارت ہی کی راہ سے انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند کی عظیم الشان حکومت سلطنت حاصل کی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن نے مسلمانوں کو تجارت کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کے پاس سرمایہ موجود ہو اور وہ اس کو تجارت میں نہ لگائے تو خانگی اخراجات اور ادائیگی زکوٰۃ کی وجہ سے وہ سرمایہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کے سرپرست کو حکم دیا ہے کہ وہ یتیم کے اس سرمایہ کو جسے اس کا باپ چھوڑ گیا ہے، تجارت میں لگا دیں کہیں زکوٰۃ ادا کرتے کرتے وہ مال ختم ہی نہ ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ جو خالص عبادت ہے شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں اس کے ذریعے مسلمانوں میں روحِ تجارت کو ابھارنا مقصود ہے گویا قانونِ زکوٰۃ میں تجارت کی ترغیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جب مسلمان کو یہ علم ہوگا کہ اس کو اپنے سرمایہ میں سے سالانہ ڈھائی فی صد حکمِ خداوندی کی تعمیل میں مستحقین کو تقسیم کرنا ہوگا تو اس کے اندر یہ احساس ضرور پیدا ہوگا کہ سرمایہ تجارت میں نہ لگانے کی صورت میں تقریباً سارے کا سارا سرمایہ ختم ہو جائے گا اس لیے وہ اپنے سرمایہ کو حرکت دیتا رہے گا اور اسے تجارت میں لگائے رکھے گا۔

نماز بھی زکوٰۃ ہی کی طرح خالص عبادت ہے۔ اسلام میں ابتداءً رات کے کسی بھی حصے میں تہجد کی نماز ادا کرنا بھی فرض تھا۔ لیکن کاروبارِ معاش اور بالخصوص تجارت میں کوتاہی واقع ہو جانے کے خدشے کی بنا پر فریضۂ تہجد کو ساقط کر دیا گیا تاکہ رات کی مسلسل عبادت معاشی اور تجارتی کاروبار میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ سورۂ مزمل میں ارشادِ خداوندی ہے کہ خدا نے جانا کہ کتنے ہوں گے۔ تم میں بیمار اور کتنے لوگ پھر یں گے۔ اللہ کے فضل یعنی روزی کو ڈھونڈنے کے لیے اور کتنے لوگ جہاد کرتے ہوں گے۔ اللہ کی راہ

ہیں۔ لہٰذا رات میں پڑھا کرو، جو تم کو آسان ہو۔ علم ان سیکون منکم مرضی و اخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ و اخرون یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فاقرء وا ما تیسر منہ۔ اس آیۂ کریمہ سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ تجارتی کاروبار کو بیماری اور جہاد کی طرح اسقاط نماز تہجد کا سبب ٹھہرایا گیا۔ دوسرے الفاظ میں تجارت کی ضرورت کو جہاد کا ہم پلہ قرار دیا اور تجارت پر فضل اللّٰہ کا اطلاق کیا گیا تاکہ مسلمانوں میں تجارت کی رغبت پیدا ہو۔ رات کے وقت جیساکہ سورۃ کے ابتدا میں ہے۔ اگر ساری رات یا آدھی یا تہائی یا کم و بیش وقت تہجد میں لگ جاتا تو اس کے عوض دن کے وقت آرام کرنا اور سونا ضروری ہو جاتا بصورت دیگر دن بھر بیٹھے ہوئے اونگھتے رہتے اور جہاد اور تجارتی کاروبار درہم برہم ہو جاتا۔ اس لیے نماز تہجد کی فرضیت کو ان امور کے لیے وقت فارغ کرنے کی وجہ سے ساقط کر دیا گیا جس سے اللّٰہ تعالیٰ کی نگاہ میں تجارت کا صحیح مقام معلوم ہو جاتا ہے۔

نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بیٹھ کر نوافل، تلاوتِ کلامِ الٰہی یا ذکر خداوندی میں مصروف رہنا کس قدر اہمیت کا حامل ہے لیکن سورۂ جمعہ میں اللّٰہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ، تو زمین میں تلاشِ معاش اور تجارتی کاروبار کے لیے پھیل جاؤ، اور اللّٰہ کے فضل یعنی روزی کو تلاش کرو۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللّٰہ۔

حج کی اہمیت بھی نماز سے کچھ کم نہیں۔ قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ دورانِ حج میں حاجی تجارتی کاروبار بھی کر سکتا ہے۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ ان تبتغوا فضلاً مِن رَّبِّکُمْ ط

پیغمبر آخر الزمان جناب محمدؐ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو آدمی تجارت کرے اور اس میں سچائی اور امانت کا لحاظ رکھے تو آخرت میں اس کا مقام انبیا علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔ انبیاء اور صدیقین کی معیت اور رفاقت کو پا لینا معمولی بات نہیں۔ یہ نعمت بڑی بڑی نیکیوں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی لیکن تجارت مومن کو اس ارفع مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کامیاب تجارت کے دو گُر اور اصول بتلائے ہیں۔ (۱) صداقت (۲) امانت۔ ان دونوں اصولوں پر بڑی حد تک یورپی اقوام عمل پیرا ہیں۔ اور اسی لیے اُن کی تجارت کامیاب ہے۔ لیکن ہم نے اپنے گھر کے ان دونوں اصولوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور فریب خیانت اور دھوکہ بازی کو اپنا شعار قرار دے لیا ہے۔ اسی لیے ہماری تجارت ناکام ہے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے قول کے ذریعے بلکہ عمل سے بھی اسی کی تعلیم دی ۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی غرض سے خود شام کا سفر اختیار فرمایا ۔ واپسی میں وہاں سے سامانِ تجارت لاکر مکہ معظمہ میں فروخت کیا ۔ صدق و امانت کی وجہ سے آپ ﷺ کی تجارت نہایت کامیاب رہی ۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد اُمت کی افضل ترین شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے ۔ خلافت سے پیشتر اور اوائل عہدِ خلافت میں آپؓ بھی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے ۔ پھر کاروبارِ حکومت کی زیادتی اور صحابہ کے اصرار پر بادلِ ناخواستہ آپ کو تجارت چھوڑنا پڑی تو آپ کے تمام کنبے کے خرچ کے لیے بیت المال میں سے سالانہ تنخواہ اولاً دو ہزار درہم اور آخراً اڑھائی ہزار درہم مقرر کی گئی جو پاکستانی سکہ کے حساب بالترتیب پانچسو اور پانچ سو پچیس روپے سالانہ یعنی تقریباً پچاس روپے ماہوار تھی ۔

دائرہ تجارت

تجارت کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ زیادہ سرمایہ ہی سے تجارت شروع کی جائے بلکہ معمولی سرمایہ سے بھی تجارت کی ابتدا کی جاسکتی ہے ۔ آج جس قدر بڑے بڑے تاجر نظر آ رہے ہیں ان سب نے اپنی تجارت کا آغاز معمولی سرمایہ ہی سے کیا تھا ، رفتہ رفتہ انھوں نے ترقی کی اور وہ بڑے تاجر بن گئے

دیہات میں بہت معمولی سرمایہ سے مرغی خانہ کھولا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعے گھر بیٹھے کافی آمدنی پیدا کی جاسکتی ہے ۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی جاسکتی ہے مچھلیوں کے تالاب بنائے جاسکتے ہیں ۔ نفع بخش ذریعہ معاش کے لیے ان سب طریقوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ـــــ گھریلو صنعتوں مثلاً جراب، سویٹر تولیے، کپڑوں پر کشیدہ کاری اور اسی طرح کی دوسری دستکاریوں کو بروئے کار لاکر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اس طرح کے کام مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی انجام دے سکتے ہیں اور بیکاری بھی دُور ہوسکتی ہے ہمارے ملک میں اکثر اوقات کنبہ میں ایک ہی مرد کماتا ہے اور گھر کے باقی افراد بیکار رہتے ہوئے اسی ایک مرد کی کمائی پر بسر اوقات کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس دوسرے ممالک میں گھر کا ہر فرد کماتا ہے جس کی وجہ سے ایک خاندان کی کمائی میں بحیثیت مجموعی اضافہ ہوجاتا ہے اور سب لوگ خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں ۔ بنابریں ترقی کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ہر فرد کے لیے اس کے مناسب حال کام مہیا کیا جائے جس کی بدولت پورا خاندان اکتسابِ رزق میں مصروف ہو ۔ اس سلسلے میں وقت کے نئے تجربات اور تازہ معلومات سے استفادہ کرنا چاہیے ۔ اسی طرح ہماری مادی ترقی اور خوشحالی میں اضافہ ہوسکتا ہے اور ہماری آمدنی کا دائرہ وسیع ہو

ہو سکتا ہے۔

مالی ترقی کے لیے صرف آمدنی بڑھانا ہی کافی نہیں بلکہ آمد و صرف میں صحیح توازن قائم رکھنا بھی حد درجہ ضروری ہے اسلام اور قرآن نے اس سلسلے میں بھی ہماری راہ نمائی کی ہے اور ہمیں واضح ہدایات دی ہیں جن کے ذریعے نہ صرف آمد و صرف میں صحیح توازن قائم ہو سکتا ہے بلکہ ناجائز اور غیر ضروری مصارف کے دروازے بند ہو جانے سے کمائی ہوئی رقم پس انداز ہونے میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آمدنی میں اضافہ سے زیادہ اہم اخراجات کو کم کرنا ہے۔ پہلی چیز یعنی آمدنی میں اضافہ غیر اختیاری فعل ہے مگر دوسری چیز یعنی خرچ میں کمی کرنا یہ اپنے اختیار میں ہے اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اخراجات کو حتی الامکان گھٹانے کی کوشش کرے۔

شادی کے بے جا اخراجات

اسلام میں بیاہ شادی نہایت سادہ اور کم خرچ معاملہ ہے تاکہ ہر فرد بغیر کسی دقت کے عقد ازدواج کو آسانی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ اسی سادگی کے پیش نظر اسلام نے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کے الفاظ پر نکاح کا مدار رکھا ہے جس پر کچھ خرچ نہیں آتا، البتہ صرف مہر کا بار برداشت کرنا پڑتا ہے جو ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک صرف تین درہم یعنی پاکستانی سکہ کے حساب سے صرف بارہ آنے ہے، اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درہم یعنی تقریباً ڈھائی روپے پاکستانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اس صورت میں جبکہ مہر نقد ادا کرنا ہو۔ ورنہ مہر موجل یعنی میعادی مہر کی صورت میں جب بھی شوہر کو استطاعت حاصل ہو۔ اس وقت یہ رقم ادا کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں ایک مسلمان کے لیے شادی بیاہ کا فوری خرچ زیادہ سے زیادہ ڈھائی روپے میں پورا ہو سکتا ہے اور اگر اتنی رقم بھی فی الحال موجود نہ ہو تب بھی نکاح ہو سکتا ہے جب یہ رقم حاصل ہو جائے اس وقت ادا کر دے۔

دعوتِ ولیمہ بھی ایسی ضروری نہیں کہ اس کے بغیر نکاح جائز ہی نہ ہو۔ البتہ اگر مسنون طریقے پر عمل کرنا چاہے تو حسبِ توفیق چند افراد کو سادہ طریقے پر جو کچھ کھلا سکے وہ کافی ہے کسی قسم کے تکلفات کی ضرورت نہیں۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑی دعوتِ ولیمہ کی وہ صرف ایک بکری کے گوشت کا شوربہ اور روٹی پر مشتمل تھی اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ اور حدیث نبوی میں اولم ولو بشاۃٍ کے ذریعے اسی کی جانب اشارہ بھی ہے۔

اسلامی قانون کو ترک کر کے ہم نے رسم و رواج کی شیطانی راہ اختیار کی اور نام و نمود، ریا اور شہرت کی غرض سے بیاہ شادی کے اخراجات کو وسیع کرنے کا سلسلہ شروع کیا، زیورات، ملبوسات، دیگر سازو سامان اور شاہانہ دعوتِ ولیمہ کے مسرفانہ اخراجات کو لازم سمجھ لیا جس کی وجہ سے صرف ایک شادی کے لوازمات پورے کرنے پر عمر بھر کی کمائی خرچ کر ڈالتے ہیں اور بعض اوقات زمینیں تک رہن رکھ دیتے ہیں اور سودی یا غیر سودی قرض برداشت کر کے اس شیطانی خرچ کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر شادی کے بعد برسوں تک اس قرض کی ادائیگی وبالِ جان بنی رہتی ہے۔ ان وسیع اخراجات کے لیے رقم کی فراہمی اور پھر اس کی ادائیگی کے بھیانک تصور ہی سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور نکاح کا سادہ اور بے خرچ معاملہ ایک وبالِ جان نظر آتا ہے اور اسی کی وجہ سے بہت سے نوجوان مرد اور عورتیں عرصہ دراز تک تجرد کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بے شمار اخلاقی اور سماجی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ننگ و ناموس اور عصمت تک خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عورت جب بالغ ہو جائے تو بلا تاخیر اس کا نکاح کر دیا جائے، تاکہ کسی قسم کے برے نتائج پیدا نہ ہونے پائیں۔ لیکن شیطانی اخراجات کا بار اس مقدس اور پُر حکمت حکم کی تعمیل کی راہ میں حائل ہو کر طرح طرح کے مفاسد کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے ہماری دنیا اور دین دونوں برباد ہو جاتے ہیں مگر ہم کو ذرا بھی احساس نہیں ہو پاتا، اور عقل و شعور کے باوجود ہم اپنے معاشرے سے اس ناسور کو دور کرنے پر قدرت نہیں رکھتے، کیا اس سے زیادہ افسوسناک کوئی حرکت ہو سکتی ہے؟

تعیش کا سامان

اسلام نے اسراف کو حرام ٹھہرا کر ہر قسم کے سامانِ تعیش پر پابندی عائد کر دی۔ تاکہ مسلمانوں کا سرمایہ غیر مفید مصرف سے محفوظ رہ سکے۔ آج کل ہماری زندگی کے ہر شعبے میں ایسے اخراجات کی کثرت نظر آتی ہے جو عیاشی کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان کا تعلق خوراک، پوشاک اور ملبوسات سے ہو، یا ظروف اور خانگی سامان سے۔ آرائش و زیبائش کی بہت سی غیر ضروری اشیا کی خریداری کا مقصد دوسروں کے سامنے اپنی عزت، تفوق اور برتری کا اظہار ہوتا ہے۔ دولت کا خاصہ حصہ مختلف قسم کی منشیات و مسکرات اور سنیما بینی میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ اشیائے ضروریہ خریدتے وقت ایک کی جگہ دس چیزیں خرید لیتے ہیں

اور اس طرح سرمایہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربہ کفورا۔ صرف بے جا کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطٰن خدائی نعمتوں سے کفر کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ البذاذۃ من الایمان سادہ زندگی گذارنا ایمان کی نشانی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کی زندگی مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ اس سے بہتر نمونہ ممکن نہیں۔ اور اسی سادہ طرزِ زندگی سے خوش حالی پیدا ہوتی ہے۔ آج اگر ہم اپنی ضروریات کا اسلامی معیار کے تحت جائزہ لیں تو ہماری بیشتر اشیا جن پر ہم نے اپنا سرمایہ صرف کیا ہے ضرورت سے زائد ثابت ہوں گی۔ بقول صائب:

نفس قانع نیست صائب ورنہ اسبابِ جہاں
آں چہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست!

ہم قلیل آمدنی کے باوجود اسلامی طرزِ عمل کو چھوڑ کر یورپ کی نقل اتارتے ہیں، جن کے شیطانی اخراجات نے انسانیت کو جہنم کے کنارے لاکھڑا کیا ہے، امریکہ شراب نوشی پر سالانہ نو ارب پندرہ کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ یورپی دنیا جوئے بازی پر سالانہ ایک سو تیس ارب کی رقم اور سگرٹ نوشی پر ہر سال پچاس ارب باون کروڑ کی رقم خرچ کرتی ہے۔ انگلستان عورتوں کے عطریات پر سالانہ چھ کروڑ اٹھارہ لاکھ پونڈ صرف کرتا ہے۔ برطانیہ کا سالانہ تفریحی خرچ ایک ارب باون کروڑ پونڈ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی یہ وہ خرابیاں ہیں جو انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ کر دینے کا موجب بنتی ہیں اسے دوسروں کی تکالیف کا احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ حالانکہ دنیا کی آبادی کا نصف حصہ فاقہ کشی اور بیماریوں کا شکار ہے اور اقوام متحدہ کی رپورٹ مندرجہ انجام ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء کے مطابق دنیا کی یہ نصف آبادی مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہے لیکن اس مشاہدے اور حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود ہم اسلام کے سادہ طرزِ زندگی کو چھوڑ کر یورپی تہذیب کی اس شیطانی روش کو اپنانے کی کوشش میں شب و روز مصروف ہیں۔

ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ

محنت اور مشقت کے ساتھ معاشی ضروریات کے لیے سرمایہ جمع کرنے کے بعد اس کو صرف کرتے وقت

اس امر کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے کہ وہ غیر ضروری امور میں خرچ نہ ہونے پائے ورنہ وہی سرمایہ جسے نہایت محنت و مشقت سے اکٹھا کیا ہے ضروری امور کی انجام دہی کے لیے بھی باقی نہیں بچے گا۔ مسلمانوں میں عموماً اور خاص طور پر دیہات کے باشندوں میں یہ مرض بری طرح پھیلا ہوا ہے کہ وہ اپنے عزیز سرمایہ کو آپس کی خانہ جنگیوں، رقابتوں اور طرح طرح کی مقدمہ بازیوں میں صرف کر ڈالتے ہیں اور اس مسلسل کش مکش باہمی کی وجہ سے ان کو دین و دنیا کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس باہمی عداوت اور غیر ضروری مصروفیت کے باعث کسبِ معاش کے لیے بھی وقت نہیں نکال سکتے اس لیے کہ کسبِ معاش کے لیے پُرامن اور بے خوف و خطر زندگی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ یکسر محروم رہتے ہیں۔ بنا بریں اگر وہ کسی وقت آسودہ حال ہو بھی جاتے ہیں تو پھر جلد ہی کسی دوسرے فوجداری یا دیوانی مقدمہ میں پھنس کر غریب اور قلاش ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں ان اسباب پر غور کرنا چاہیے جن کے نتیجے میں مقدمہ بازی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور تباہی اور بربادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے ـــــ ان اسباب میں سے بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم مسلمان اسلامی تعلیم کی روح سے ناواقف ہیں۔ اور اس پر عمل کرنے سے غفلت برتتے ہیں ورنہ ہم اس حالت کو قطعاً نہ پہنچتے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کی اجمالی روح امن و سلامتی میں ہے۔ اسی لیے ہمارا دین ایمان کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے اور اسلام کے نام سے بھی معروف ہے۔ ایمان اصل میں امن سے ماخوذ ہے اور اسلام سلامتی سے۔ گویا دین الٰہی ایک مرد مومن و مسلم میں سب سے پہلے امن اور سلامتی کا جذبہ پیدا کرتا ہے کہ اس کی زبان، ہاتھ، پاؤں اور دیگر قوتوں سے کسی مسلمان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے اور پوری اسلامی دنیا بالخصوص اپنے ہم وطن، ہم قوم اور اپنی بستی والے اس سے پوری طرح امن و سلامتی میں رہیں۔

اسلامی زندگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی زندگی کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے تمام مسلمان محفوظ ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے۔ المؤمن من امنہ الناس علی اموالھم ودمائھم واعراضھم مومن وہ ہے جس کو سارے لوگ اپنے مال، جان اور عزت میں امانتدار سمجھیں، صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔ دین اسلام نام ہے۔

پانچ چیزوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا، اللہ، رسول، قرآن، مسلمان امیر اور عام مسلمان، ان دو حدیثوں ہی پر اگر مسلمان عمل کرنے لگ جائیں تو وہ دنیا میں ایسی منظم اور متحد و متفق قوم بن جائیں گے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کہ کوئی دشمن ان میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

ان احادیث نبوی پر ایک حد تک غیر مسلم اقوام تو عمل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں لیکن خود مسلمان ان سے روگرداں ہیں اور نورِ نبوت کی اس روشنی سے یکسر محروم۔ بقول اقبال مرحوم:

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر!
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

اور اسی وجہ سے دنیا میں مسلمانوں کی کوئی مستحکم حکومت نظر نہیں آتی۔ چند حکومتیں اور سلطنتیں ہیں بھی۔ تو وہ دشمنانِ اسلام مسیحی اقوام کے رحم وکرم پر ہیں۔ وہ جب چاہیں مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنے منشا کے مطابق ان کی سلطنت میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں انڈونیشیا کے مسلمانوں کو آپس کی خانہ جنگی میں الجھا کر ان کی مضبوط حکومت کے قدم اکھاڑ دیے اور سلطنت ڈانواں ڈول کر دی اس کے باعث بے انتہا مالی نقصان کے علاوہ دس لاکھ مسلمان قتل ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ دیکھیے یہ کب ختم ہو۔ یہی حال عراق، مصر، شام اور دیگر اسلامی ممالک کا ہے۔ اس پر مستزاد مسلمانوں کی مسلم دشمنی، جس کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ اب تک ان کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ان کی اسی بے اتفاقی پر سید جمال الدین افغانی نے قاہرہ میں یہ پُرمعنی جملہ ارشاد فرمایا تھا: اتفق المسلمون علی ان لا یتفقوا کہ مسلمان دنیا میں صرف ایک چیز پر متفق ہیں۔ وہ یہ کہ وہ متفق نہ ہوں گے یعنی متفق نہ ہونے پر ان کا اتفاق ہے اور کسی چیز پر ان کا اتفاق نہیں۔

اسلام کی تفصیلی ہدایات

ہماری آپس کی عداوت اور مقدمہ بازی کا سب سے بڑا سبب قتل و خون ریزی کی عادت ہے جس کی وجہ سے ہم مفلوک الحالی کا شکار ہیں اور ہر وقت ایک دوسرے کے درپے آزار رہتے ہیں جس سے ہمارا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں مگر ہم مسلم کشی کو اپنی بہادری اور کمال سمجھتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس پر فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ ومن

یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا الیما۔ جو شخص جان بوجھ کر مسلمان کو قصداً قتل کردے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی۔ اور اللہ نے اس کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ دوسری آیت میں ہے: ومن قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیی الناس جمیعا (المائدہ) جو شخص کسی کو قتل کرنے اور فساد کرنے کے بغیر جان سے مار ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جو کسی مسلمان کی جان بچائے تو اس نے تمام مسلمانوں کی جان بچائی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل محض شخصی جرم نہیں، بلکہ ملی اور جماعتی جرم ہے جس سے پوری اسلامی ملت اور جماعت کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اس لیے پوری جماعت کا فرض ہے کہ قتل کو روکنے اور قاتل کو اس قابل نفرت کردار کی وجہ سے سزا دینے کی کوشش کرے تاکہ اسلامی معاشرہ قتل و خون ریزی کی لعنت سے محفوظ رہ سکے۔ جرم قتل ایک متعدی مرض ہے اگر اس کو بروقت نہ روکا گیا تو یہ مرض پوری سوسائٹی میں پھیل جائے گا اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کردے گا۔ اسلام کی نظر میں محض قتل ہی ایک جرم عظیم نہیں بلکہ ترغیب قتل اور اس کے لیے سازش و مشورہ بھی ایک عظیم گناہ ہے۔ مسند احمد کی حدیث ہے: عن رجل من الصحابۃ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن القاتل والآمر فقال قسمت النار سبعین جزاء فللآمر تسع وستون وللقاتل جزء۔ ایک صحابی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ سے قاتل اور قتل کا مشورہ دینے والے کے متعلق سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ قتل کی سزا دوزخ کے ستر حصے ہیں۔ انہتر حصے مشورہ دینے والے کے لیے اور ایک حصہ قتل کرنے والے کے لیے ہے

اور ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ اگر ایک مسلمان کے قتل میں بالفرض آسمان و زمین کے رہنے والے سب کے سب شریک ہوں تو خدا سب کو دوزخ میں ڈال دے گا (ترمذی) حدیث کے الفاظ مبارک یہ ہیں: عن ابی ھریرۃ وابی سعید۔ لو ان اھل السماء والارض اشترکوا فی دم مؤمن لاکبھم اللہ فی النار۔ خودکشی کرنے والے کو دوسرے کو قتل کرنے والے شخص سے

بھی زیادہ مجرم قرار دیا گیا۔ بخاری وغیرہ میں ہے: عن ابی هریرة مرفوعاً من تردی من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم یتردی فیها خالداً مخلداً فیها ابداً، ومن تحسی سماً فقتل نفسه فسمه فی یده یتحساه فی نار جهنم خالداً مخلداً فیها ابداً۔ ومن قتل نفسا بحدیدة فحدیدته فی النار یتوجأ بها فی بطنه فی نار جهنم خالداً مخلداً فیها ابداً۔ للستة الا مالکا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اوپر سے گرا کر خودکشی کرلے تو اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اسی طرح ہمیشہ کے لیے وہ خود کو اس میں گراتا رہے گا، اسی طرح جو شخص زہر کھا کر خودکشی کرلے۔ جہنم میں بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ اور جو شخص کسی خنجر وغیرہ سے خودکشی کرلے تو وہ جہنم میں ایسا ہی کرتا رہے گا۔ اس حدیث سے خودکشی کی تمام شکلیں گناہ قرار پاتی ہیں اور دوسرے کو قتل کرنے سے اپنے آپ کو قتل کردینا زیادہ گناہ ہے خواہ کسی آلہ کے ذریعہ خودکشی کی جائے یا بھوک ہڑتال وغیرہ کے ذریعہ —— اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا وجود خالقِ کائنات کی ملکیت ہے جو ہمیں امانتاً عطا ہوا ہے اور رزقِ حلال کے ذریعہ اسے قائم رکھ کر اس سے عبادتِ الٰہی کا سرکاری کام سرانجام لینا ہے جو ہماری حیاتِ ابدی اور مسرت کا واحد ذریعہ ہے اگر ہم نے خودکشی کے ذریعے اس کو ختم کردیا تو اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے کسی شخص کو سرکاری مشین سرکاری کاموں کے لیے دی جائے کہ اس کو درست حالت میں رکھ کر اسے سرکاری کاموں میں استعمال کیا جائے مگر وہ اس سے صحیح کام لینے کے بجائے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ ایسی صورت میں اس پر فردِ جرم عائد کردیا جائے گا۔ یہی معاملہ خودکشی کرنے والے کا ہے کہ اس نے اپنے وجود کی سرکاری مشین کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اس لیے قہرِ الٰہی کا مستحق ہوا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قتلِ نفس اور قتلِ غیر کی عظیم معصیت سے نجات دے تاکہ ان کی دنیا اور عاقبت برباد نہ ہو۔ باہمی قتل و قتال نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے۔

اسبابِ قتل

قتل کا سبب اصلی غضب ہے اور اس کی وجہ حسبِ ذیل امور ہیں:

(۱) ظلم مالی، (۲) ظلم جاہی (۳) سوءِ ظن یعنی بدگمانی، غیبت، تکبر، چغلی، غصہ اور کذب ،

یہ امور نہ صرف قتل و قتال کا سبب بنتے ہیں، بلکہ مقدمہ بازی بھی انہی وجوہ سے ہوتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے مسلمانوں کی وحدت، اتفاق، باہمی محبت اور تنظیم ملت کے استحکام کے لیے مسلمانوں کو باہمی منازعات اور مخاصمات کے تمام دروازے بند کر دینے پر زور دیا تاکہ امن و سکون بحال ہو، اور وحدتِ ملت برقرار رہے اور ملتِ اسلامیہ کے افراد تزکیہ نفس اور اپنی شخصیت کی تعمیر کر سکیں۔

ظلمِ مالی

قرآن کا ارشاد ہے: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ط آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدموں کو حاکموں کے پاس اس غرض سے مت لے جاؤ کہ اس کے ذریعے لوگوں کے مال کا ایک حصہ بطریق گناہ اور ظلم کے کھا جاؤ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو —— صحیح مسلم کی حدیث ہے: یغفر للشہید الا الدین شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں قرض اور دوسرے کے حق کے ماسوا کہ وہ معاف نہیں ہوتا۔ بخاری میں ابن عمر سے حضور علیہ السلام کی حدیث منقول ہے۔ جو شخص کسی کی زمین بقدر ایک بالشت کے چھین لیے ساتویں زمین تک اس کو دھنسایا جائے گا۔ کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ (بخاری عن ابی ہریرہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کا خون، اس کی عزت وآبرو اور اس کا مال۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ اس شخص کو اپنی رحمت سے محروم کر دے جو رشوت دے یا رشوت لے یا رشوت کی دلالی کرے۔ لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما اس حدیث کو مسند احمد میں ثوبان سے نقل کیا گیا ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً قبول ہو گی۔ مگر تین قسم کے لوگوں کے لیے حضور علیہ السلام نے بددعا فرمائی اور رحمتِ خداوندی سے دوری کے لیے حضورؐ کی بددعا سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ ان ذمائم سے محفوظ رکھے۔ جامع صغیر میں حاکم سے حدیث نقل کی گئی ہے۔ لعن اللہ من غیر منار الارض او غصبھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بددعا دیتے ہیں کہ اللہ اس شخص کو اپنی رحمت

سے محروم کرکے لعنت میں گرفتار کرے جو زمین کی حد بندی توڑ دے یا پرائی زمین غصب کرلے ۔

ظلم جاہی

ایسے ظلم کے متعلق جس میں مسلمان کی ہتکِ عزت اور آبرو ریزی اور توہین ہو. قرآن حکیم کا ارشاد ہے یا ایہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظالمون ط اے ایمان والو لوگ ایک دوسرے سے ٹھٹھا نہ کریں شاید وہ بہتر ہوں ان سے ، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کو برا نام ہے گنہگاری مومن ہونے کے بعد اور جو کوئی توبہ نہ کرے ۔ وہی بے انصاف ہے ـــ ایک قوم کے افراد میں باہمی فساد اور منازعت ابتداً چھوٹی باتوں سے شروع ہوتی ہے قرآن نے ان چھوٹی باتوں سے منع فرماکر اس دروازے ہی کو بند کر دیا ۔ تاکہ مسلم معاشرے کی شیرازہ بندی ہوسکے اور آپس کے لڑائی جھگڑوں کی نوبت ہی نہ آنے پائے ۔ اگر مسلمان اسی ایک مذکورہ آیت پر عمل کرنے لگ جائیں تو ان کے باہمی فساد اور خانہ جنگیاں بہت حد تک کم ہوسکتی ہیں ۔ خدا سے بڑھ کر مہربان اور ہمدرد اور کون ہوسکتا ہے اس نے ہمارے فائدے کے لیے وہ تمام باتیں بتلا دیں جو اس باہمی خانہ جنگی کے ختم کرنے میں مؤثر ثابت ہوسکتی ہیں اور جن کی نظیر مذاہبِ عالم پیش کرنے سے قاصر ہیں ـــ مرض دور کرنے کے لیے اس دوا کے مجرب ہونے میں کوئی شک نہیں ۔ مگر اس کا استعمال تندرستی کے لیے شرطِ اوّل ہے ۔ استعمال کے بغیر کسی دوا سے فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا ۔

اسی طرح کسی مسلمان کو گالی دینا عظیم گناہ ہے ۔ حدیث بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں ۔ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر ۔ مسلمان کو گالی دینا بڑا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کافروں کا کام ہے ۔

ترمذی میں حضرت مغیرہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں ۔ لا تسبوا الاموات فتؤذوا الاحیاء یعنی تم کسی کے فوت شدہ آباء واجداد کو گالی مت دو کہ اس سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف ہوگی ۔ یعنی اگرچہ ان کے مردہ اعزہ مسلمان نہ ہوں ۔ جیسے اوائل اسلام میں اکثر ایسا تھا ۔

گالی گلوچ کی قبیح عادت دُور کرنے کے لیے اسلام نے بے جان چیزوں کو بھی گالی دینا گناہ قرار دیا ہے طبرانی کے معجم اوسط میں حضرت جابرؓ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں: لاتسبوّا اللیل والنھار ولا الشمس ولا القمر ولا الریح فانھا رحمۃ لقوم وعذاب لاٰخرین - رات دن، آفتاب وماہتاب اور ہوا کو گالی نہ دو- یہ چیزیں بعض کے لیے رحمت اور بعض کے لیے عذاب ہیں - یہاں تک کہ قرآن حکیم نے کفار کے بتوں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا - ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم - تم کفار کے بتوں کو گالی یا بُرا بھلا مت کہو - ورنہ وہ اللہ کو بغیر علم کے بُرا بھلا کہنے لگیں گے - بخاری میں ابو ہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں یسب ابن آدم الدھر وانا الدھر اقلب لیلہ ونھارہ انسان زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں زمانہ کو چلانے والا ہوں، اس کی رات اور دن کو پلٹتا ہوں جس مذہب اسلام کی یہ ہدایات ہیں - آج اس مذہب کے ماننے والوں کا حال یہ ہے کہ دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ گالی بکنے والے وہی ہیں اور اسی کی وجہ سے روزانہ ان میں فسادات برپا ہوتے ہیں -

سوء ظن یعنی بدگمانی وغیبت

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ توّاب رحیم - یعنی اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں لگانے سے کیونکہ بعض تہمتیں گناہ ہیں اور بھید مت ٹٹولو اور بُرا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو- بھلا خوش لگتا ہے تم میں سے کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو، سو تم بُرا جانوگے اس کو، اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے -

مسلمانوں کے باہمی فسادات کا ایک بہت بڑا سبب بدگمانی اور تہمت تراشی ہے - اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی - ابو ہریرہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک جامع حدیث نقل کی ہے جو اصلاح معاشرہ کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے - کتب صحاح ستہ میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:- ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا - ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد

اللہ اخوانا کما امرکم اللہ المسلم اخو المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ ان اللہ لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم و اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔ (ترجمہ) "تم بدگمانی سے بچتے رہو۔ بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے اور کسی کی شرمگاہ پر نظر نہ ڈالو اور کسی کا بھید مت ٹٹولو اور کسی مسلمان کا مقابلہ مت کرو اور آپس میں حسد اور بغض نہ رکھو اور مسلمان سے روگردانی مت کرو اور اللہ کے بندے ہو کر آپس میں بھائیوں کی طرح رہو جیسے اللہ کا حکم ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ اللہ تمھاری ظاہری صورت اور جسم اور اعمال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

تکبر، چغلی اور کذب

آپس کے تمام جھگڑوں کی جڑ تکبر، چغلی اور جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان چیزوں سے منع فرمایا۔ قرآن حکیم ارشاد ہے:۔ واللہ لا یحب کل مختال فخور۔ اللہ کو وہ شخص ناپسند ہے جو دل میں اپنے کو دوسرے مسلمان سے اونچا سمجھے یا زبان سے اس پر بڑائی جتلائے۔ صحیح مسلم میں ابن مسعودؓ سے حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر۔ وہ شخص عذاب کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث ہے۔ لا یدخل الجنۃ قتات بلا عذاب دوزخ جنت میں نہیں جاتے گا۔ وہ شخص جو چغلی کرتا ہو۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین جو شخص جھوٹ بولے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

روحانی ترقی

ہر فعل و عمل کا اصلی محرک اور سرچشمہ روح ہے۔ اگر روح ترقی یافتہ ہو تو اعمال میں قوت پیدا ہو گی ورنہ اس میں ضعف رہے گا۔ اسلام نے روحانی ترقی کے لیے تین سلسلے قائم کیے۔ (۱) عقائد (۲) اخلاق، (۳) عبادات ـــ عقائد کی بدولت روح کا ربط ذات رب العالمین سے مضبوط ہو جاتا ہے جو تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے، اور اس کے بعد وہ کسی مخلوق کے دباؤ میں آ کر نہ تو مرعوب ہوتا ہے اور نہ کسی دشمن کی کثرت اسے خوف میں مبتلا کر سکتی ہے اور نہ کوئی اس کو اس کے مقصد سے ہٹا سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے ارادہ اور عزم میں پوری پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اخلاق سے روح میں استقامت اور اعمال میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے اور بڑے سے بڑا دشمن بھی اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود ایک پختہ سیرت اور صاحب کردار و صاحب اخلاق قوم میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا۔ اور اس کی صفوں میں انتشار پیدا نہیں کر سکتا۔

عبادات کا تسلسل عقائد اور اخلاقی قوت کی بقا اور استحکام کا سامان ہے جب عبادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو قوم کی اعتقادی اور اخلاقی قوت میں کمزوری پیدا نہیں ہونے پاتی اور نہ کوئی دشمن ایسی قوم کی وحدت میں رخنہ ڈال سکتا ہے ان تینوں امور سے فرد کی تعمیر ہوتی اور ملت کی تنظیم مضبوط ہو جاتی ہے۔ دنیا چونکہ عالم اسباب ہے، اس لیے فاعلی قوت کی تکمیل کے بعد آلاتی قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن حکیم نے حکم دیا۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم یعنی جس حد تک تمہارے بس میں ہو ویسی قوت اور پلے ہوئے گھوڑے فراہم کرو جس سے تم اپنے اور اللہ کے تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکو۔ اس آیت میں ایک عالمگیر لفظ قوت کا استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں پر اپنی استطاعت کے دائرے میں ان تمام آلات اور اسباب کی فراہمی فرض ہے جس سے وہ دشمن پر غالب آسکتے ہوں اور اس کو مرعوب کر سکتے ہوں۔ اس میں آلاتِ حرب، اسباب زراعت، سامان صحت، ذرائع مواصلات کی اتنی مقدار میں تیاری فرض ہو گئی جو تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکے۔ آلاتِ حرب میں بندوق سے لے کر ہائیڈروجن بم ٹنک اور بری، بحری اور ہوائی بیڑے کے تمام وسائل داخل ہیں۔ اگر اس میں ہم نے معمولی سی کوتاہی بھی کی تو یہ از روئے قرآن جرم اور حکم الٰہی کی نافرمانی ہوگی۔ یہ حکم چودہ سو برس سے قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ ہم نے تو اس پر عمل نہیں کیا مگر مسیحی اقوام نے جن کی انجیل میں یہ تحریر تھا کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپیڑ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے آگے کر دو اور کوئی تم سے کرتا چھینے تو چوغا بھی دے دو۔ اس قوم نے اپنے مذہب کو ترک کر کے قرآنی ہدایات پر عمل کیا اور آلاتِ حرب اور سامانِ قوت میں اتنی ترقی کی کہ اب وہی اقوام ترقی یافتہ شمار ہوتی ہیں۔

ترقی سے ہماری محرومی اور ہمارا یہ زوال ترکِ اسلام کا نتیجہ ہے ورنہ اسلام اور ترقی تو لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے آگ اور گرمی کا وجود۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین تم سب قوموں پر غالب رہو گے اگر کامل مومن رہو گے، اسلام کی گذشتہ تاریخ قرآن کے اس فرمان کی صداقت کی دلیل ہے

کہ مسلمانوں کی مختلف اقوام سے ٹکر ہوئی اور مسلمان سامانِ حرب اور تعداد میں ان سے کم ہونے کے باوجود ہمیشہ فتح پاتے رہے۔ اس آیت کے مطابق تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ تمام جدید آلات میں اتنی ترقی کریں کہ اگر مسیحی اقوام سے سبقت نہ لے جا سکیں تو کم از کم ان کے مساوی ضرور ہوں اور عالم اسلام اس کے لیے اپنی پوری قوت استعمال کرے۔

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ جتنی طاقت ہو۔ اتنی نماز پڑھو یا روزے رکھو۔ حج کرو یا زکوٰۃ دو۔ سو رکعات نماز پڑھنے کی طاقت ہو تب بھی پانچ وقت میں اللہ تعالیٰ نے سترہ رکعات نماز فرض قرار دیں۔ سال بھر میں روزہ صرف ایک مہینہ اور زکوٰۃ ڈھائی فی صد اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج فرض کیا اور بقدر طاقت فرض نہیں کیا لیکن سامانِ جنگ اور اسباب ترقی دنیوی کے متعلق فرضیت کا جو حکم دیا گیا اس میں اللہ تعالیٰ نے استطاعت کا لفظ استعمال فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلم قوم یا حکومت دس لاکھ ہوائی جہاز یا ایٹم یا دوسرا سامان بنانے کی طاقت رکھتے ہوئے اس میں کمی کریں تو حکم الٰہی کے ترک کی وجہ سے سب گنہگار اور مجرم قرار پائیں گے۔

تعلیماتِ غزالی

امام غزالی نے اپنی بے نظیر تصنیف "احیاء" میں یہ واضح کیا ہے کہ اسلام و شریعت نے انسانی زندگی کے لیے جو لائحہ عمل پیش کیا ہے اس کی تہ میں کیا فلسفہ کارفرما ہے۔ یہ کتاب امام غزالی کی احیاء کی آزاد اور توضیحی تلخیص ہے اور اس کے مقدمہ میں تصوف کے رموز و نکات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

از مولانا محمد حنیف ندوی:- صفحات ۵۷۲، قیمت: ۱۰ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور